جامعہ حقانیہ کا ترجمان

مجلّہ الحقانیہ

ساہیوال
سرگودھا

جلد ۳ شوال المکرم ۱۴۲۹ھ / اکتوبر ۲۰۰۸ء شمارہ ۱۰



بانی فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہٗ

فہرست

شوال المکرم ۱۴۲۹ھ اکتوبر ۲۰۰۸ء



کلمۃ الحق

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستان کے بارہویں صدر، شد آنچہ شد

سابق صدر پرویز مشرف کے مستعفی ہونے کے بعد مملکت کیلئے ایک نئے صدر کے انتخاب کا عظیم اور اہم مرحلہ درپیش تھا، چونکہ پاکستان پیپلز پارٹی کو پورے ملک میں مجموعی طور پر اسمبلی میں اکثریت حاصل تھی اس لئے انہوں نے اس عظیم اور مؤقر منصب کیلئے جناب آصف علی زرداری صاحب کا نام پیش کردیا، جبکہ اس تجویز سے اختلاف کرتے ہوئے دوسری بڑی پارٹی مسلم لیگ ن گروپ نے ریٹائرڈ جسٹس سعیدالزمان صدیقی صاحب کا نام پیش کیا، اسی طرح مسلم لیگ ق نے بھی صدارت کیلئے اپنے امیدوار جناب مشاہد حسین صاحب کو کھڑا کیا۔

رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ کی ۵ اور ستمبر کی ٦ تاریخ صدارتی انتخاب کیلئے مقرر ہوئی، ٦ ستمبر کا دن ''یوم دفاع پاکستان'' کے حوالہ سے اپنی ایک تاریخ رکھتا ہے، چنانچہ صدارتی انتخاب بھی اسی روز عمل میں لایا گیا اور اس کے نتیجہ میں جناب آصف علی زرداری صاحب بھاری اکثریت سے مملکت اسلامیہ پاکستان کے بارہویں صدر منتخب ہوئے۔ مسلم لیگ ن گروپ کے امیدوار کو صرف پنجاب میں زیادہ ووٹ پڑے، باقی صوبوں میں انہیں ووٹ نہیں مل سکے، جبکہ ق لیگ کو اپنے ارکین کی حمایت بھی حاصل نہ ہوسکی اور اسے بری طرح شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

جناب آصف علی زرداری صاحب کی شخصیت قوم کیلئے جانی پہچانی اور ماضی میں ان کے کارناموں کی وجہ سے خاصی متعارف ہے اور من جرب المجرب حلت به الندامة بھی اپنی جگہ ایک مسلمہ اصول ہے۔

لیکن اب یہ بحث کہ وہ صدر پرویز کے بعد اتنے بڑے منصب پر کیسے پہنچے اور بھاری اکثریت کے ساتھ سیاست دانوں نے انہیں کیسے آئینی صدر تسلیم کرلیا، اس کے پیچھے کیا محرکات اور اسباب ہیں، نیز پاکستان مسلم لیگ ن کے صدر جناب نواز شریف صاحب نے غیر فطری اتحاد کی صورت میں ان کا ساتھ دے کر کیا حاصل کیا اور اس وقت ان کا کردار کیا اور کیوں رہا؟ سب کچھ واضح اور عیاں ہے۔

کسے معلوم نہیں کہ جناب زرداری کی شخصیت اس سے زیادہ نہیں کہ وہ سابقہ وزیراعظم کے شوہر رہے ہیں اور کرپشن کے مختلف الزامات میں صفائی پیش کرنے کی بجائے انہوں نے N-R-O کا سہارا لیا ہے جو سابق صدر پرویز نے اپنے تحفظ کے ساتھ ساتھ جناب زرداری جیسے حضرات کے روشن مستقبل کیلئے جاری کیا تھا۔

ملک کے ارباب عقل یہ حقیقت سمجھنے پر مجبور ہیں کہ صدر پرویز کی رخصتی اور زرداری کی آمد وغیرہ سب سوچی سمجھی اسکیم اور ڈیلنگ کا نتیجہ ہے اور اس میں کلیدی اور مؤثر کردار حسب سابق امریکہ بہادر کا ہے۔

بہرحال ''شدآنچہ شد'' کے مطابق اب ان مباحث میں وقت ضائع کرنے کی بجائے بہتر یہ ہے کہ ملک وقوم کو درپیش مسائل کی طرف توجہ کی جائے حزب اختلاف اور حزب اقتدار دونوں مل کر آئینی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے مشکل مسائل کو حل کریں۔ موجودہ حکومت بھی جو اس وقت پورے طور پر سیاہ وسفید کی مالک ہے ماضی کی تاریخ دہرانے کی بجائے موجودہ چیلنجوں کو سمجھے اور سب کو ساتھ ملا کر ملک کے حال ومستقبل کے سنوارنے میں اپنی توانائیاں صرف کرے۔

پیپلز پارٹی کا نعرہ ہمیشہ ''روٹی، کپڑا اور مکان'' رہا ہے، اس وقت باشندگان پاکستان کیلئے سب سے اہم مسئلہ بھی یہی ہے، بجلی کا بحران اور وطن عزیز میں بدامنی، جان ومال کا عدم تحفظ وغیرہ مسائل اس پر مستزاد ہیں۔ اب دیکھتے ہیں کہ موجودہ حکومت کس حد تک اپنے نعرہ میں صداقت کا ثبوت دیتی ہے۔ اگر ماضی کی طرح ع وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو جائے، پر عمل رہا تو پھر یہ دور پہلے سے بھی زیادہ بدتر دور ہوگا، اور اگر زرداری حکومت ملک کو درپیش مختلف بحرانوں سے نکالنے میں کامیاب ہوگئی تو یہ ملک وقوم اور خود حکومت کیلئے ایک نیک فال ہوگا۔

جناب نواز شریف کے ساتھ ایفاء عہد کی بجائے بدعہدی کے حوالہ سے اگرچہ جناب صدر پوری دنیا میں بدنام ہو چکے ہیں، تاہم اگر وہ اب بھی ان وعدوں کو پورا کرتے ہوئے ججز کو بحال کردیں اور سترہویں ترمیم کو ختم کرکے آئین کو اپنی اصلی حالت پر لا کر اختیارات اراکین اسمبلی کے حوالہ کردیں تو امید ہے کہ کسی حد تک یہ داغ ان سے دھل جائے گا ورنہ ''تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم'' کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

موجودہ حکومت کی ذمہ داریوں میں ایک اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ آئین پاکستان کے تقاضا کے مطابق اس مملکت میں اسلام کے نفاذ کو یقینی بنائے۔ اسے یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ یہ ملک محض اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا اور لاکھوں مسلمانوں نے صرف لا الٰہ الا اللّٰہ کی بنیاد پر پاکستان کیلئے قربانیاں دیں، لیکن افسوس کہ آج تک اس دھرتی پر اسلام نافذ نہ ہو سکا اور یہ خواب ہنوز شرمندۂ تعبیر ہے۔

اس وقت قوم پر جو عذاب مختلف صورتوں میں مسلط ہیں ان کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ پاکستان کے حصول کے وقت قوم سے جو وعدے کئے گئے تھے انہیں یکسر پس پشت ڈال دیا گیا اور مسلمانوں کو اسلام جیسے جامع، کامل اور مکمل دین کی برکات سے مستفید ہونے کا موقع فراہم نہیں کیا گیا، اس کا نتیجہ پوری دنیا کے سامنے ہے کہ پاکستان کے عوام اس وقت سخت پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔

اس لئے صدر مملکت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ع ہر کہ آمد عمارت نو ساخت، پر عمل کرنے کی بجائے اسلامی نظام کے نفاذ سے متعلق جو ٹھوس کام ہوا ہے اسے آگے بڑھائیں اور اس طرف خصوصی توجہ دیں تاکہ مسلمان اسلام کی برکات سے صحیح طور پر بہرہ ور ہو سکیں۔

اگر ماضی کی طرح موجودہ حکومت نے بھی اقتدار کے نشہ میں آکر اسلام اور اہل اسلام، مدارس و مساجد سے محاذ آرائی کو روا رکھا تو پھر یہ حقیقت سب پر واضح ہے کہ اقتدار محض آنی جانی شے اور ظل زائل، ڈھلتا سایہ ہے، یہ کرسی کسی سے وفا نہیں کرتی۔ دور جانے کی ضرورت نہیں سابق ڈکٹیٹر صدر پرویز کے حالات سے بھی عبرت حاصل کی جا سکتی ہے، اصل حکمرانی حق تعالیٰ کی ہے اس لئے اس ذات سے ڈرنا چاہئے اور اس کے احکام سے بغاوت نہیں کرنی چاہئے ورنہ ع تمہاری داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں۔

ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ملک کا حامی و ناصر ہو اور حکمرانوں کو توفیق سداد و ہدایت عطا فرمائیں، آمین۔

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ
۱۰ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

درس قرآن کریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حق جل شانہٗ نے قرآن کریم میں بار بار ایمان اور ہدایت کونور فرمایا ہے اور مردہ دلوں کی حیات اور زندگی فرمایا ہے، اور کفر اور ضلالت کو ظلمت اور تاریکی اور دلوں کی موت اور بربادی بتایا ہے، اس لئے حق تعالیٰ نے منافقین کے مناسب جنہوں نے ہدایت کے عوض میں ضلالت اور گمراہی کو اختیار کیا دو مثالیں بیان فرمائیں، ایک ناری اور دوسری مائی، اس لئے کہ نار مادۂ نور ہے اور ماء یعنی پانی مادۂ حیات ہے کما قال تعالیٰ وجعلنا من الماء کلّ شیء حیّ۔

مثال اول منافقین

مثال ان منافقین کی کوتاہ نظری اور غلط فہمی اور نور ہدایت کے بدلہ میں ظلمات ضلالت کو خرید کر خسارہ اٹھانے میں اس شخص کی سی ہے کہ جس نے آگ روشن کی، پس جب آگ نے اس کے آس پاس کو خوب روشن کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی کو سلب فرمالیا اور چھوڑ دیا ان کو ایسی تاریکیوں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم سے محمد رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی مشعل کو روشن کیا جس کی وجہ سے حق اور باطل اور ہدایت اور ضلالت خوب واضح اور روشن ہوگئی اور تمام مخلوق نے اس میں راہ پائی، لیکن منافق اس وقت اندھے ہوگئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے نور فطرت اور نور بصیرت کو سلب فرمالیا۔

آفتاب نبوت وہدایت نے اگرچہ تمام عالم کو روشن اور منور کر دیا مگر جب تک آنکھ میں نور اور بینائی نہ ہو تو آفتاب کی روشنی کیا کام آوے، کاش کہ نرے اندھے ہوتے تب بھی غنیمت تھا، کیونکہ اندھا کسی کو پکار کر اس کی بات سن سکتا ہے مگر جب بہرا اور گونگا بھی ہو تو پھر راہ پر آنے کی کوئی امید نہیں، نابینا ہونے کی وجہ سے دیکھ نہیں سکتا، بہرا ہونے کی وجہ سے کسی کی نصیحت بھی نہیں سن سکتا اور گونگا ہونے کی وجہ سے کسی سے کچھ پوچھ بھی نہیں سکتا۔

اسی طرح منافقوں کو نہ عقل کی آنکھ ہے کہ جس سے خود سیدھا اور غلط راستہ پہچانیں اور دیکھ

سکیں، اور نہ مرشد اور کسی اللہ والے کی طرف رجوع ہے کہ وہ ان کی دستگیری کرے اور ان کا راہنما بن جائے، اور نہ خود حق کی طرف کان لگاتے ہیں، پھر ایسے شخص کی راستہ پر آنے کی کیونکر امید ہو۔ ھذا توضیح ما قالہ الشاہ عبد القادر الدھلوی فی موضح القران۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں:

مترجم گوید حاصل مثل آنست کہ اعمال منافقان ہمہ حبط شدند چنانکہ روشنی آں جماعت دور شد۔ انتہٰی۔

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ ہدایت کے بعد گمراہی میں چلا جانا ایسا ہے جیسا کہ روشنی کے بعد اندھیرے میں جا پھنسنا۔

عبداللہ بن مسعود اور دیگر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس آیت شریفہ کی تفسیر اس طرح منقول ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو کچھ لوگ اسلام میں داخل ہوئے اور بعد چندے منافق بن گئے۔ تو ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص ظلمت اور تاریکی میں تھا، اس نے آگ سلگائی، اس کی روشنی سے آس پاس کی تمام چیزیں نظر آنے لگیں اور جو چیزیں بچنے کے قابل تھیں وہ اس کو معلوم ہوگئیں، یکا یک وہ آگ بجھ گئی اور راستہ کے کانٹے اس کی نگاہ سے اوجھل ہوگئے، اب وہ حیران اور سرگردان ہے کہ کس چیز سے بچے اور کس چیز سے نہ بچے۔

اسی طرح یہ منافقین پہلے سے کفر اور شرک کی ظلمتوں اور تاریکیوں میں تھے کہ اسلام لے آئے کہ جس کی وجہ سے حلال وحرام، خیر اور شر سب معلوم ہوگیا اور یہ سمجھ گئے کہ کس چیز سے بچیں اور کس چیز سے نہ بچیں، اسی حالت میں تھا کہ منافق ہوگیا اور مثل سابق پھر ظلمات کفر میں جا پھنسا، اب اس کو حلال اور حرام، خیر اور شر کی کوئی تمیز نہیں (ابن کثیر)

امام رازی فرماتے ہیں کہ یہ تشبیہ نہایت صحیح ہے۔ اول ایمان لا کر نور حاصل کیا، پھر نفاق کرکے اس نور کو ضائع کیا اور ہمیشہ کیلئے حیرت میں پڑ گئے۔

راہ دنیا میں جو ظلمت کی وجہ سے پریشانی لاحق ہوتی ہے اس کو اس پریشانی اور حیرت سے کہ جو راہ آخرت میں باطنی ظلمات کی وجہ سے پیش آئے وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو دریا کے ساتھ ہے، دنیا کی ہر پریشانی محدود اور متناہی ہے اور آخرت کی پریشانی غیر محدود اور غیر متناہی۔

درس حدیث

رحمۃ الفردوس ترجمہ بہجۃ النفوس

مؤلف: حضرت امام حافظ ابومحمد عبداللہ بن ابی جمرہ الازدی الاندلسی رحمہ اللہ
مترجم: شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ

اور دوسری صورت میں سیدھا چلنے کا تو یہی مطلب ہوگا کہ درمیانی حالت پر رہا جائے اور درمیانی حالت یہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے (حضرت) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو بتلائی تھی کہ روزہ بھی رکھو، افطار بھی کرو، رات کو اٹھو بھی اور سوؤ بھی، کیونکہ تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے گھر والوں کا بھی تم پر حق ہے۔ اس کے بعد عموم کے ساتھ یوں فرمایا واعط لکلّ ذی حق حقہ اور ہر حقدار کو اس کا حق پہنچاؤ۔ پس سیدھا چلنا تو یہ ہوا کہ انسان تمام امور میں اسی قاعدہ پر چلے جو فرائض و مستحبات کیلئے مقرر ہے، نہ کسی ایک جانب میں فنا ہو نہ دوسری جانب میں کوتاہی کرے۔ اور قریب قریب چلنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی حد اعتدال پر نہ رہ سکے اور کسی عذر کی بناء پر اس سے عاجز ہو تو وہ اس کے قریب قریب ہی رہے، کیونکہ قریب کا بھی وہی حکم ہوتا ہے جو اصل کا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ قریب قریب رہنے کی حالت میں کسی واجب کے اندر خلل واقع نہ ہو، کیونکہ واجب میں کوتاہی کرنا (کسی حال میں) جائز نہیں اور کوئی مستحب اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتا، بلکہ کسی کو حد اعتدال کے قریب اسی وقت کہا جاسکتا ہے جبکہ واجبات کو ہر پہلو سے پوری طرح ادا کرچکا ہو اس کے بعد اپنی استطاعت کے موافق کسی مستحب میں مشغول ہوا ہو مگر کسی عذر کی وجہ سے جیسے بیماری وغیرہ حد اعتدال تک پہنچنے سے رہ گیا ہو، اس صورت میں کہا جائے گا کہ یہ اعتدال کے قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنی کتاب میں ان دونوں جماعتوں کا تذکرہ فرمایا ہے، یعنی ان کا بھی جو حد اعتدال پر قائم رہتے ہیں اور ان کا بھی جو قریب قریب چلتے ہیں۔ چنانچہ پہلی جماعت کے بارہ میں ارشاد ہے والسّابقون السّابقون ٥ اولٓئک المقرّبون ٥ اور سبقت کرنے والے تو سبقت ہی کرنے والے ہیں، یہ لوگ مقرب ہیں۔ اور دوسری جماعت کے متعلق جو اس درجہ کو نہیں پہنچ سکے مگر قریب قریب رہے ارشاد ہے ان تجتنبوا کبآئر ما تنھون عنہ نکفّر عنکم سیّاٰتکم وندخلکم مّدخلا کریما ٥ اگر تم بڑے بڑے

گناہوں سے بچتے رہو جن سے تم کو منع کیا گیا ہے تو ہم تمہاری چھوٹی خطاؤں سے چشم پوشی کریں گے اور تم کو عزت کے درجہ پر پہنچادیں گے۔

ہم اس مضمون کو یعنی درجۂ اعتدال اور اس کے قریب درجہ کو ایک مثال سے واضح کر دینا چاہتے ہیں تا کہ جلدی سمجھ میں آ جائے ۔مثلاً کوئی طالب طلب علم کیلئے آوے اور اس بات کی کوشش کرے کہ عالم بن کر علماء میں داخل ہوجائے ۔تو اگر وہ اس ارادہ میں کامیاب ہوگیا تو سبحان اللہ وہ تو اہل کمال میں داخل ہوگیا، یہ تو حد اعتدال ہے۔اور اگر اس میں ناکام رہا تو اس کو علم کا کچھ حصہ اپنی ہمت کے موافق حاصل کر لینا چاہیئے جاہل نہ رہنا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے طلب العلم فریضة علی کل مسلم علم (دین) کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔اس صورت میں یہ شخص حد اعتدال سے تو عاجز رہا مگر اس کے قریب قریب رہا۔اسی طرح نفل عبادت میں فرائض کو پوری طرح ادا کرنے کے بعد مشغول ہو، اب اگر اتنی ہمت ہو کہ عابدین میں شامل ہو جائے تو ہمت کرے (اور عابد زاہد بن جائے) کیونکہ رسول اللہ ﷺ حق تعالیٰ کی طرف سے فرماتے ہیں کہ بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں، اور جب محبوب بنالیتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے، اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے کام کرتا ہے (یعنی اب میں اس کے تمام اعضاء کی حفاظت کرتا ہوں کہ ان سے کوئی کام میری مرضی کے خلاف نہ ہونے پائے، بلکہ جو کام ہو میرے حکم کے تحت میں ہو)

اور اگر عابدین کے درجہ میں داخل ہونے سے عاجز ہو تو (نفل عبادت سے کچھ حصہ حاصل کرلے) اپنے کو اس سے بالکل کورا نہ رکھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن بندہ کی نماز کو (اول) دیکھا جائے گا اگر پوری ہوئی تو خیر اور اگر کچھ کمی رہی تو اللہ تعالیٰ (فرشتوں سے) فرمائیں گے دیکھو اگر اس کے پاس کچھ نفل نمازیں ہوں تو فرائض کی کمی کو ان سے پورا کردو۔

اسی طرح تمام فرائض کے ساتھ معاملہ ہوگا کہ جس فرض میں کمی رہی ہوگی اس کی ہم جنس نفل سے کمی کو پورا کردیا جائے گا۔تو جو شخص محض فرائض ہی پر اکتفاء کرے اور قرب کے اس مرتبہ کو بالکل چھوڑ دے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے تو اس پر یہ اندیشہ ہے کہ (قیامت میں) فرائض کی کمی پوری نہ ہو اور عذاب کا مستحق ہوجائے۔

مرسلہ: محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

جمع وترتیب: حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہ

O فرمایا درمختار میں ہے کہ ماہ شوال کے چھ روزے رمضان کے قضا روزوں میں بطور تداخل ادا ہو سکتے ہیں مگر یہ جزئیہ بالکل صحیح نہیں، تداخل اس جگہ ہو سکتا ہے جہاں ایک سے دوسرے کا مقصود بھی حاصل ہو جاوے، مثلاً تحیۃ المسجد سے مقصود مسجد کا حق ادا کرنا ہے کہ مسجد میں پہنچتے ہی کچھ نماز ادا کرنا چاہئے، پس اگر کوئی شخص سنت میں مشغول ہو گیا تو تحیۃ المسجد کی غرض بھی اسی سے پوری ہو جائے گی، یہاں تداخل ہو جاوے گا۔ بخلاف ستہ شوال کے کہ حدیث شریف میں اس کی غرض یہ وارد ہے کہ من صام رمضان ثم اتبعه بست من شوّال كان كصيام الدهر اور اس کی بناء یہ فرمائی ہے کہ صيام شهر بعشرة اشهر وستّة ايّام بشهرين فذلك تمام السّنة، رواه الدارمی ۔ اور ایک حدیث میں یہ بناء ان الفاظ میں مذکور ہے من جاء بالحسنة فله عشر امثالها، رواه ابن ماجة، اور یہ تب پوری ہو سکتی ہے جب رمضان سمیت چھتیس روزوں کا عدد پورا ہو اور چھتیس کا عدد تداخل میں پورا کیسے ہوگا، ہاں اگر علاوہ قضائے رمضان کسی اور واجب کو شوال میں ادا کرے تو پھر شاید تداخل ہو سکے اگر کوئی مانع ثابت نہ ہو۔

اس پر ایک شخص نے کہا کہ اس طرح تو پھر جزئیات فقہیہ میں احتمال غلطی کا رہے گا۔ اس پر فرمایا اگر کسی اور جزئی میں بھی ہم کو معلوم ہو جاوے کہ حدیث صریح منصوص کے خلاف ہے تو چھوڑ دیں گے، اور یہ تقلید کے خلاف نہیں ہے، آخر بعض مواقع میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے اقوال کو بھی تو چھوڑا گیا ہے۔ ہاں جس جگہ حدیث کے متعدد محمل ہوں وہاں جس محمل پر مجتہد نے عمل کیا ہم بھی اسی پر عمل کریں گے، اور اگر خود امام صاحب ہوتے اور اس وقت ان سے دریافت کیا جاتا وہ بھی یہی فرماتے تو گویا اس چھوڑنے میں بھی امام صاحب ہی کی اطاعت ہے، اور یہ جزئیہ ستہ شوال کا تو مجتہد سے منقول بھی نہیں۔

O فرمایا ایک شخص مسجد میں نماز پڑھنے کے واسطے آیا، امام محمد اور امام شافعی صاحب دونوں تشریف رکھتے تھے، دونوں صاحبوں میں اختلاف ہوا، ایک صاحب نے فرمایا یہ لوہار ہے، دوسرے نے فرمایا یہ

بڑھئی ہے، جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوکر جانے لگا تو اس کو بلا کر دریافت کیا کہ تم کیا کام کرتے ہو؟ اس نے عرض کیا میں پہلے بڑھئی کا کام کرتا تھا اور اب لوہار کا کام کرتا ہوں۔

اسی طرح ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ شکل دیکھ کر نام بتادیا کرتے تھے۔ اور اتنا ذوقاً میں بھی سمجھ لیتا ہوں کہ اس کا نام اس کے مناسب ہے، بہت کم نام ایسے ہوں گے کہ ان میں اپنے مسمّٰی سے مناسبت وجداناً محسوس نہ ہو، اکثر ناموں میں اور ان کے مسمّٰی میں مناسبت ہوتی ہے۔

اسی طرح حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کسی لغت کو سن کر فرمادیتے تھے کہ اس کے ایسے معنی ہوں گے، گویا حروف کے خواص ان پر منکشف ہوجاتے تھے۔

O فرمایا ایک حکیم صاحب ذوق فرماتے ہیں کہ نمازی اور غیر نمازی کے قارورے میں بھی فرق ہوتا ہے، اس میں ایک قسم کا خاص نور ہوتا ہے اور بے نمازی کے قارورے میں وہ نور نہیں ہوتا۔

اس پر میں نے یہ شبہ کیا کہ نجاست میں کیا نور ہوتا؟ شاہ لطف رسول صاحب نے فرمایا کہ حدیث میں ہے اَللّٰھُمَّ اجعل فی دمی نورا اس سے معلوم ہوا کہ دم میں نور ہے حالانکہ دم نجس ہے۔

میں نے دو جواب دیے۔ اول یہ کہ نجس جب تک اپنی معدن میں ہوتو وہ طاہر ہوتا ہے، حتی کہ بول بھی، اور یہاں ذکر ہے بول منفصل کا۔ اور اصل نور قلب میں ہوتا ہے اور دوسرے اعضاء میں اس کی حلاوت بوجہ تلبس کے سرایت کرجاتی ہے، اور یہ نور وہ کیفیت ہے جس سے عبادت میں انشراح اور بسط اور ذوق اور خشوع وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور نفس نور کی حقیقت یہ ہے کہ طاھر بنفسہ و مطھر لغیرہ۔ دوسرے یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضلات شریفہ پاک تھے ان پر دوسرے کو قیاس نہیں کرسکتے۔

O فرمایا مدرسہ میں جو چندہ آتا ہے اس سے مہمان کو کھانا کھلانا جائز نہیں، کیونکہ دینے والے کی غرض تو مصارف مدرسہ میں صرف کرنے کی ہوتی ہے اور یہ اس میں داخل نہیں، اور مہتمم صرف امین اور وکیل ہوتا ہے مالک نہیں ہوتا جس طرح چاہے تصرف کرے۔

احقر نے عرض کیا چندہ میں سے ثلث لے کر چندہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا نہیں۔ احقر نے کہا حدیث سرایا سے بعض لوگوں نے تمسک کیا ہے۔ فرمایا لا حول و لاقوۃ الا باللہ، اجرت کو غیر اجرت پر قیاس کرلیا، وہاں تو امیر عامہ کو لشکر پر حسب مصلحت تقسیم کرنے کا حق ہے اور خود مال مباح ہے اور یہاں قفیز طحان کے علاوہ جہالت اجرت کا فساد موجود ہے۔

فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

اصلاحی مکاتیب

سالکین کے خطوط اور حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ کے جوابات

حال: شاید یہ دینی کمزوری ہے یا شیطانی وسوسہ ہے کہ ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ زکوۃ ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے دینی فریضہ ہے اور اس کی ادائیگی میں بالکل آسانی ہونی چاہئے جو بلا تکلف ہو۔

ارشاد: نماز بھی فریضہ ہے مگر بعض اوقات اس میں تکلف ہوتا ہے اس پر اجر ملتا ہے۔

حال: خود بھی اور دوسروں کو بھی تفویض کی تعریف اور اس پر قائم رہنا کہتا رہتا ہوں مگر آج کل خود کی یہ حالت ہے کہ کسی وقت بھی چین نہیں آتا۔

ارشاد: غیر اختیاری طبعی بات ہے تفویض کے خلاف نہیں ہے۔

حال: اصل بات یہ ہے پچھلے دنوں میرے لڑکے نے انٹرویو دیا تھا غیر سرکاری طور پر معتبر ذرائع سے کامیابی کی خبر مل گئی تھی مگر سفارشی آدمی کو کامیاب قرار دے دیا گیا جس سے دل پر بڑا اثر ہے۔

ارشاد: دل پر اثر ہونا چاہئے تھا یہ طبعی بات ہے مگر عقلاً یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ اس میں بھی ضرور کوئی حکمت ہے جس کا ہمیں ادراک نہیں ہے بار بار اس کا استحضار ہی اس طبعی اثر کے کم کرنے کا علاج ہے۔

حال: رات کو دس بجے دوکان سے فارغ ہو کر گھر جاتا ہوں گیارہ بجے اگر مہمان وغیرہ آئے ہوں تو ساڑھے بارہ بجے رات کو سو کر پھر ساڑھے تین بجے رات کو اٹھتا ہوں آرام بہت کم ملتا ہے۔

ارشاد: واقعی آرام کم ملتا ہے کم از کم چھ گھنٹے نیند کے ہونے چاہئیں۔

حال: بعض وقت طبیعت بہت اکتا جاتی ہے اور وظائف بوجھ محسوس ہوتے ہیں طبیعت پر بوجھ محسوس ہونے سے میرے ثواب میں تو فرق نہیں آتا یا احقر گنہگار تو نہیں ہوتا۔

ارشاد: نہیں۔

حال: تمام نمازیں جماعت سے ادا کرتا ہوں مگر صبح کی نماز کیلئے بڑی دشواری ہوتی ہے تیسری منزل پر قیام ہے سیڑھیاں اترنا چڑھنا بہت مشکل ہے گھٹنوں میں درد اور نکاہت کافی ہے سانس پھول جاتا ہے۔

ارشاد: جب تک برداشت ہوسکے برداشت کریں اور ہمت سے کام لیں جب ہمت جواب دے دے تو گھر پر جماعت کا انتظام کریں۔

حال: تمام معمولات پورے کررہا ہوں ایک دو دفعہ ایسا موقعہ آیا کہ کوشش کے باوجود جماعت جاتی رہی جس کا مجھے بہت قلق ہوا۔

ارشاد: کوشش کے باوجود عمل نہ ہوسکے اس کا ثواب ان شاءاللہ مل جائے گا اور قلق سے بھی ثواب ملے گا۔

حال: رات ایک خواب دیکھا کہ ایک بزرگ بڑی شفقت کے ساتھ حمائل شریف جس پر اچھا سا غلاف ہے مجھے دے رہے ہیں اور میں خواب میں یہ محسوس کررہا ہوں کہ یہ بزرگ حضور ﷺ ہیں، اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی، چونکہ اس خواب کی نسبت حضور ﷺ کی طرف ہے اس لئے احقر اس کو بڑی سعادت اور خوش قسمتی خیال کرتا ہے۔

ارشاد: ٹھیک ہے یہ خوش قسمتی اور سعادت کی بات ہے شاید قرآن کریم کے عطا فرمانے میں اس کی تلاوت کی طرف توجہ دلانا مقصود ہو، واللہ اعلم۔

حال: میرے لڑکے نے حج کیلئے درخواست دی تھی مگر قرعہ اندازی میں نہیں آئی بڑا صدمہ ہوا ہے اس کیلئے دعا بھی فرمائیں۔

ارشاد: یہ ثواب الگ مل گیا اور وقت پر حج بھی ہوجائے گا ان شاءاللہ تعالیٰ، دعا بھی کرتا ہوں۔

حال: ویسے بھی آج کل سب گھر کے افراد بڑے پریشان ہیں کہ میرا لڑکا جو کوئی بھی خواہش اور تمنا کرتا ہے تقریباً مایوسی ہوتی ہے حالانکہ اسے عمر بھر کبھی مایوسی نہیں ہوئی تھی۔

ارشاد: پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اس میں بھی حکمتیں ہیں ان کا استحضار کرکے اطمینان حاصل کرنا ضروری ہے کہ اس طرح اس ناکامی میں بھی کامیابی کا پہلو موجود ہے باقی طبعی طور پر رنج ہوتا ہی ہے اس کو حدود پر رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

حال: حتی الوسع جہاں تک ہوسکے نظریں نیچی رکھتا ہوں مگر پھر بھی اچانک نظر عورتوں پر پڑتی ہے۔

ارشاد: اچانک نظر معاف جبکہ نظر پھیر لی جائے۔

حال: شیخ کے مقابلہ میں دیندار والدین کی کیا حیثیت ہے۔

ارشاد: زیادہ قابل لحاظ ہے۔

فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

توضیح المراد لمن تخبط فی عقوبۃ الارتداد

اسلام میں ارتداد کی سزا

مخالفین کے شبہات کا ازالہ (چوتھی و آخری قسط)

خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تعامل

تفسیر وحدیث اور تاریخ کی مستند کتابوں میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا مرتدین کو قتل کرنا مذکور ہے اور یہ بھی تاریخ کے مسلمات میں سے ہے کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے جن لوگوں کو سزائے ارتداد میں قتل کیا ہے ان میں ایسے مرتد بھی یقیناً شامل ہیں جن سے کسی قسم کا ارادۂ فساد یا محاربہ کا ظہور نہیں ہوا تھا اور نہ انہوں نے خلافت کے خلاف باغیانہ سرگرمیاں دکھلائی تھیں، بلکہ ان کو محض ارتداد کی سزا کے طور پر ہی قتل کیا گیا تھا، اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی حدیث جو پہلے گزر چکی ہے اس سے بھی واضح ہے کہ مرتد کی سزا کیلئے محاربہ شرط نہیں صرف ارتداد پر ہی سزائے قتل کا مستحق ہو جاتا ہے، اس لئے سزائے ارتداد کیلئے محاربہ کو شرط قرار دینا احادیث صحیحہ اور خلفاء راشدین کے تعامل کے خلاف ہونے کی وجہ سے کسی صورت بھی درست نہیں ہو سکتا۔

ایک شبہ کا ازالہ

اب رہا مضمون نگار کا یہ شبہ کہ مسیلمہ کذاب نے حضور نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ہی ترک اسلام کر کے نبوت کا دعویٰ کیا مگر حضور ﷺ نے اس کو مرتد سمجھ کر قتل کرنے کا حکم نہ دیا، آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب مسیلمہ کذاب نے لشکر جمع کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ اول سے بغاوت کی تو بعد سخت لڑائی کے قتل کیا گیا (حوالہ بالا)

اس شبہ کا ازالہ اگر غور سے دیکھا جاتا تو اسی واقعہ سے ہو جاتا، اس لئے کہ مسیلمہ کذاب کے قاصد نے جب حضور اکرم ﷺ کے سامنے مسیلمہ کذاب کی رسالت کی تصدیق کی تو اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر قاصد قتل کئے جاتے تو میں تمہاری گردن اڑا دینے کا حکم کرتا (سیرت ابن ہشام ص ۹)

یہ فرمان رسالت اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی نئے مدعی نبوت کی تصدیق سے ہی آدمی مرتد اور سزائے قتل کا مستحق ہوجاتا ہے، اس لئے خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب ان کے دور خلافت میں مسیلمہ کذاب کے ماننے والوں کو گرفتار کر کے ان کے بارہ میں حکم دریافت کیا گیا تھا تو انہوں نے یہ حکم صادر فرمایا تھا فاعرض علیهم دین الحق وشهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله صلى الله عليه وسلم ،فمن قالها وتبرأ من دين مسيلمة فلاتقتلوه ومن لزم دين مسيلمة فاقتلوه (احکام القرآن جصاص ج۲ص۲۸۸، وسنن کبریٰ للامام البیہقی ج۸ص۲۰۱) اس فرمان میں بھی صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ صرف دین مسیلمہ پر قائم رہنا ہی موجب سزائے قتل ہے، اس میں محاربہ کی قید نہیں ہے۔

جب جھوٹی نبوت کے دعویدار کی تصدیق حسب فرمان نبوی ﷺ موجب سزائے قتل ہے تو کیا کوئی عاقل اس کا تصور کر سکتا ہے کہ خود جھوٹی نبوت کا دعویدار مرتد اور سزائے قتل کا مستحق نہ ہوگا؟

ہمارے مضمون نگار کے کہنے کے مطابق اگر یہ تسلیم ہی کرلیا جائے کہ مسیلمہ کذاب کے قتل کی وجہ اس کا بغاوت کرنا تھا اور چونکہ اس نے حضرت ابوبکر خلیفہ اول سے بغاوت کی اس لئے وہ قتل کیا گیا تھا تو پھر بھی اس کے قاصد کا مستحق سزائے قتل ہونا تو محض اس کے ارتداد ہی کی وجہ سے تھا، ورنہ بتلایا جاوے کہ اس کے قاصد نے آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں کونسی بغاوت اور لشکر کشی کی تھی جس کی بناء پر وہ لسان نبوت سے سزائے قتل کا مستحق قرار پایا تھا، اس کو محض مسیلمہ کذاب کی رسالت کی تصدیق کرنے پر ہی مستحق سزائے قتل قرار دینے کی سوائے اس کے ارتداد کے اور کونسی وجہ ہوسکتی ہے؟ اگر مضمون نگار کے نزدیک یہ وجہ درست نہیں تھی تو پھر کیا ان کے نزدیک آنحضرت ﷺ نے اس قاصد کو (نعوذباللہ) بلاوجہ ہی سزائے قتل کا مستحق قرار دیا تھا؟

دراصل ہمارے مضمون نگار نے واقعہ کے اس جزء کی طرف سے بالکل چشم پوشی کرلی ہے اس لئے انہوں نے یہ لکھ دیا کہ حضور ﷺ نے اس کو مرتد سمجھ کر قتل کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ خلافت اسلامیہ جو اسلام کی نمائندہ حکومت ہوتی ہے اس کے خلاف بغاوت کرنے پر سزائے قتل دینا تو ہمارے مضمون نگار جیسے عقلاء کے نزدیک تہذیب کے خلاف نہیں مگر اسلام کے خلاف بغاوت اور ارتداد پر سزائے قتل ان کو خلاف تہذیب معلوم ہوتی ہے، گویا ملک کو انتشار اور بدامنی

کے جراثیم اور باغی کی مخالفانہ سرگرمیوں سے بچانا تو ضروری ہے اور اس کی سزائے قتل بھی معقول ہے مگر ان عقلاء کے نزدیک ملت اسلامیہ کے باغی (مرتد) کو کھلی چھٹی حاصل ہونی چاہئے کہ وہ اپنی باغیانہ سرگرمیوں سے ملت میں انتشار پھیلاتا رہے اور اسلامی معاشرہ کو ارتداد کے جراثیم سے متاثر اور تباہ کرتا رہے، اس پر مؤاخذہ اور گرفت کرنا ہی آزادخیالی اور شخصی آزادی کے خلاف ہے اور سزائے قتل تو ان کی طبع نازک پر بہت ہی گراں بار ہے، حیرت ہے کہ یہ عقلاء جو تحفظ ملک کو دیتے ہیں اس تحفظ سے ملت کو کیوں محروم رکھتے ہیں؟ اور ملک کے خلاف سرگرمیوں پر مؤاخذہ اور سزائے قتل سے ان کی فرعونی آزادخیالی اور مصنوعی شخصی آزادی کیوں متاثر نہیں ہوتی؟

اس کے علاوہ بخاری شریف کے باب النفخ فی المنام کے تحت علامہ ابن حجر نے ابن بطال سے نفخ کی تعبیر میں نقل کیا ہے:

یعبر بازالة الشیء المنفوخ بغیر تکلّف شدید لسهولة النّفخ علی النّافخ ویدلّ علی الکلام.وقد اهلك اللّٰه الکذّابین المذکورین بکلامه صلّی اللّٰه علیه و سلّم وامره بقتلهما (فتح الباری ج ۲۸ ص ۵۰۶)

اس میں صاف تصریح ہے کہ بخاری شریف میں حضور کے جس خواب کا ذکر ہے کہ آنحضرت نے اپنے دونوں دست مبارک میں سونے کے کنگن دیکھ کر ان کو پھونک مار کر اڑا دیا اور کنگنوں سے آپ نے دو کذابوں کو مراد لیا ایک اسود عنسی دوسرا مسیلمہ (بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۴۴) اس میں پھونک مارنے کی تعبیر اور اس سے مراد آنحضرت کا ان دونوں کذابوں کے قتل کرنے کا حکم فرمانا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ دونوں کذابوں کا قتل آنحضرت کے حکم سے ہوا ہے اور نفخ فی المنام سے آپ نے ان دونوں کے قتل کا حکم فرمایا ہے۔

چنانچہ اس خواب کی تعبیر کا خارج میں اس طرح ظہور رہوا کہ اسود عنسی جس نے صنعاء یمن میں نبوت کا دعوی کیا تھا اس کے اہلاک کیلئے فرمان نبوی حضرت معاذ بن جبل کے نام پہنچا اور ان کے ایک لشکری فیروز نامی نے حضور ﷺ کے وصال سے ایک روز قبل اس کو قتل کر کے جہنم واصل کردیا۔ آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی اس کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے اسی وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسود عنسی کے قتل کی خوشخبری دی اور فرمایا فاز فیروز فیروز کامیاب اور رفائز المرام ہوا (فتح الباری ج ۷ ص ۷۷، اور تاریخ

طبری ج ۳ ص ۲۲۸)

اور مسیلمہ کذاب کے دعوی کا ظہور حسب تصریح تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۱۴۵ حضرت ﷺ کی حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد ہوا اور تقریباً اس کے تین ماہ کے بعد آنحضرت ﷺ کا وصال ہو گیا اس لئے اس کے بارہ میں اگر چہ آپ ﷺ اس طرح کا انتظام نہیں کر پائے تھے جس طرح کا انتظام اسود عنسی کے بارہ میں فرما دیا تھا مگر چونکہ اسود عنسی کے بارہ میں حضور ﷺ کا اسوہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے موجود تھا، نیز مسیلمہ کذاب کے قاصد کے بارہ میں آنحضرت ﷺ کے فرمان اور نفخ فی المنام کی تعبیر سے بھی آپ واقف اور باخبر تھے اس لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے حکم اور عمل کی پیروی اور تعمیل کرتے ہوئے اپنی خلافت کی ابتداء میں ہی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر دے کر مسیلمہ کذاب کے فتنہ کے استیصال کیلئے روانہ کر دیا اور اسی لشکر کے ایک سپاہی حضرت وحشی رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کذاب کو جہنم میں پہنچا دیا۔

اس طرح جس مہم یعنی استیصال مرتدین کا آغاز خود بنفس نفیس آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا اور فنفختهما کی تعبیر میں جس مہم کے انتظام کی ذمہ داری قبول فرمائی تھی اور اس کی تکمیل سے پہلے ہی آپ ﷺ کا وقت موعود آ پہنچا تھا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے آنحضرت ﷺ کے قائم مقام ہو کر اس کو آپ ﷺ کے منشا اور حکم کے مطابق پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا اور مسیلمہ کذاب کے فتنہ کے استیصال کرنے میں نبی کریم ﷺ کی نیابت اور قائم مقامی کا حق ادا کر دیا۔

اگر آنحضرت ﷺ فتنہ اسود عنسی کے استیصال کی طرح مسیلمہ کذاب کے فتنہ کے استیصال کیلئے بھی مہلت پاتے تو آپ ﷺ ایسا ہی حکم فرماتے جیسا کہ اسود عنسی کیلئے فرمایا تھا، مگر شاید اس مہم کی ابو بکر صدیق کے دست حق پرست پر تکمیل کرانے میں اس طرف اشارہ ہو کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ برحق اور نائب مطلق ہیں کیونکہ خلیفہ اور نائب کا فعل بھی اصل میں منیب کا ہی فعل ہوتا ہے، اس لئے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ کارنامہ بھی حضور اکرم ﷺ کے اعمال فاضلہ ہی میں معدود اور شمار ہو گا جس کو ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے بطور نیابت اور قائم مقامی کے سرانجام دیا ہے۔

فتح الباری میں ہے:

يؤخذ من هذه القصّة منقبة للصّديق رضي اللّه عنه لانّ النّبيّ صلّى

اللّٰہ علیہ وسلّم تولّی نفخ السّوارین بنفسہ حتّٰی طارا،فامّا الاسود فقتل فی زمنہ وامّا مسیلمۃ فکان القائم علیہ حتّٰی قتلہ ابو بکر الصّدیق فقام مقام النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فی ذٰلک (ص ۵۷ ج ۱۷)

شبہ مذکور کا یہ جواب تو اس صورت میں ہے جبکہ یہ ثابت کردیا جائے کہ مسیلمہ کا قیام حکومت مسلمہ کی حدود تسلط میں تھا۔ اور یمامہ کا علاقہ جس میں اس نے دعویٰ نبوت کیا تھا وہ حضور کی حیات مبارکہ میں اسلامی سلطنت کی حدود سے خارج تھا تو پھر اس شبہ کے واقع ہونے کیلئے کوئی بنیاد ہی باقی نہیں رہتی کیونکہ قتل کا حکم اسی شخص کیلئے دیا جاسکتا ہے جو حاکم مسلم کی ولایت اور حکومت مسلمہ کے زیر تسلط رہتا ہو۔ دوسرے ایسے سب واقعات کا ایک کلی اور اصولی جواب یہ ہے کہ حدیث من بدل دینہ میں قولی حدیث کے جو واقعات بظاہر معارض معلوم ہوتے ہوں تو قول کے مقابلہ میں فعل میں تاویل کی جائے گی اور قول کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ فعل میں بنسبت قول کے تاویل کی زیادہ گنجائش ہوتی ہے۔

ایک خدشہ کا جواب

اب رہا مضمون نگار کا یہ خدشہ کہ ”اگر بالفرض اسلامی سلطنت میں کسی مرتد کو قتل کیا جائے تو پھر عیسائی سلطنتیں تبلیغ اسلام نہ صرف روک دیں گی بلکہ نومسلموں کو ختم کرسکتی ہیں،تو ہمارے علماء کو سوچ سمجھ کر فیصلے کرنے چاہئیں“ (نوائے وقت ۱۳/۲/۷۳ء)

اول تو عیسائی سلطنتوں کو اپنی آزادخیالی اور شخصی آزادی کی رو سے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسلام کی تبلیغ پر پابندی لگائیں اور جوابی اقدام کریں، کیا وہ ایسا کرکے تنگ نظر نہ کہلائیں گی؟ جس کا طعنہ اسلام کو دیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ قرآن کریم کے اعلان کے مطابق اب دنیا میں صرف ایک اسلام ہی سچا دین اور حق مذہب ہے، اس لئے اس کے قبول کرنے پر پابندی لگانا اگرچہ کسی صورت میں بھی حق بجانب نہیں کہلائی جاسکتی لیکن اگر ایسا کردیا جائے تو اس کا نتیجہ بیش ازیں نیست کہ غیر مسلم سلطنتوں میں نومسلموں کا سلسلہ بند ہوجائے گا،مگر اسلامی سلطنتوں میں غیر مسلم مشنریوں کے کام کے بند ہوجانے سے مسلمانوں کا اسلام محفوظ ہوکر ارتداد کا دروازہ بھی بند ہوجائے گا۔ موجودہ دولت کی حفاظت کرنا غیر موجود دولت کی تحصیل سے تمام عقلاء کے نزدیک یقیناً اہم اور مقدم ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کے ایمان کی حفاظت سے اس لئے دستکش نہیں ہوسکتا اور غیر مسلموں کو ان کی متاع پر ڈاکہ ڈالنے کی

اجازت نہیں دے سکتا کہ دوسری جگہ اسلام کی تبلیغ کے بند ہو جانے کا خطرہ اور اشاعت اسلام کے فائدہ سے محروم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔کیا اس کا کوئی عقلی جواز نظر آتا ہے کہ ایک موہوم فائدہ کیلئے اپنے یقینی ضرر کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہو جایا جائے اور نفع کی امید پر اپنے نقصان کی اجازت دے دی جائے؟

اگر بالفرض یہ خدشہ صحیح ہی ہو کہ اس پابندی سے غیر مسلم ممالک میں اشاعت اسلام میں کچھ رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے تو اس میں ذرہ بھر بھی شبہ نہیں ہے کہ اسلام کی حفاظت میں اس سے بڑی بھاری مدد ملتی ہے۔

تحریر بالا سے اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ اسلام سے ارتداد پر سزائے قتل کے خلاف جو دلائل اور شبہات پیش کئے جاتے ہیں ان کی کیا حقیقت ہے۔اسلام میں ارتداد کی سزا قتل ہے،قرآن کی آیتوں، حدیثوں اور خلفاء راشدین کے تعامل اور اجماع امت سے یہ سزا ثابت ہے اور یہ فیصلہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول نے بہت پہلے سے فرمایا ہوا ہے،خدا اور رسول کے فیصلہ میں ترمیم و تنسیخ کا نہ تو کسی عالم کو اختیار ہے نہ ہی کسی مسٹر اور بزعم خود تبلیغ اسلام کے مدعی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اسلام کے اس حق حفاظت خود اختیاری کو استعمال کرنے سے اس کے صحیح اور سچے علمبرداروں کو باز رہنے کا مشورہ دے۔

اور یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ صحیح حدیثوں اور تمام امت کے فیصلہ کے برخلاف قتل مرتد کا انکار کرنے اور امت کے اجماعی اور متفقہ فیصلے کے تبدیل کرنے کیلئے کسی عالم یا علماء کو سوچنے اور سمجھنے کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے،کیا اسلام کے قرن اول سے لے کر آج تک کا یہ فیصلہ نعوذ باللہ بے سوچے سمجھے ہی کر دیا گیا تھا؟

قرآن وحدیث میں جو احکام صاف صاف آچکے اور جس بات کا فیصلہ ہو چکا اب اس میں علماء کی سوچ سمجھ کا کیا دخل ہو سکتا ہے،جس کا بے سوچے سمجھے علماء کو مشورہ دیا جا رہا ہے۔فالی اللہ المشتکی۔

اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائیں،امین وصلی اللہ علی خیر خلقه محمد واله واصحابه اجمعین۔

حضرت مولانا قاری محمود احمد صاحب ملتان

فضائل قرآن کریم (دوسری و آخری قسط)

افادات: شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

قراءت خلف الامام کے ناجائز ہونے کی وجہ

تو علماء نے لکھا کہ قرآن کریم میں آتا ہے واذا قرئ القران فاستمعوا له وانصتوا جب نماز میں قرآن پڑھا جائے تو سنو اور خاموش ہو جاؤ۔

تو یہ جو نماز میں قرآن پڑھا جاتا ہے صبح کی نماز میں اور مغرب کی اور عشاء کی نماز میں جہرا قرآن پڑھا جاتا ہے یہ بھی مجلس سماع ہے اور یہاں یہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو سننا فرض ہے اور اللہ کے کلام کے ساتھ کسی کا پڑھنا جائز نہیں نماز میں۔

یہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اور اس کی وجہ یہ لکھی ہے شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے، فرماتے ہیں کہ یہ قرآن جو ہے یہ پڑھا جاتا ہے اور یہ اللہ کا کلام ہے امام کا کلام نہیں، امام اپنی طرف سے نہیں پڑھ رہا، یہ کلام امام کا نہیں کلام تو اللہ کا ہے اور یہ امام تو قاری ہے پڑھنے والا ہے تو جب کلام اللہ کا ہوا اور امام نے اس کی قراءت کی تو اصل متکلم اللہ تعالیٰ ہو گئے، اصل بولنے والے اور کلام کرنے والے اللہ تعالیٰ ہو گئے ہیں۔

تو شیخ محی الدین فرماتے ہیں نماز میں جو قرآن پڑھا جارہا ہے امام تو کلام اللہ سے نقل کر رہا ہے اور پڑھ رہا ہے اصل متکلم پس پردہ اللہ تعالیٰ ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ متکلم ہوں اور کلام کرنے والے ہوں تو مجال کیا ہے کہ کوئی اس کے ساتھ پڑھے، سوائے دم بخود رہنے کے اور خاموشی کے چارہ کیا ہے۔

اس لئے امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ مقتدی کو امام کے پیچھے پڑھنا جائز نہیں ہے۔ یہ فرماتے ہیں شیخ محی الدین جو اکابر اولیاء میں سے ہیں۔

تو واذا قرئ القران فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون جب نماز میں قرآن پڑھا جائے تو سنو اگر امام کی آواز سنائی دے رہی ہے اور انصتوا کے معنی خاموش رہو اگر تمہیں آواز سنائی نہیں دے رہی، تو اگر ظہر کی اور عصر کی نماز ہے تو امام کی آواز ہی نہیں نکلتی یا مثلاً کہ صبح کی نماز میں

دور ہے اور سنائی نہیں دے رہا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ امام جب نماز میں قرآن پڑھے اگر سنائی دے تو سنو اور اگر سنائی نہ دے تو خاموش رہو۔

اور آگے وعدہ فرمایا لعلکم ترحمون امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا تو معلوم ہوا کہ جو امام کے پیچھے کھڑا ہوا گر وہ سنے اور خاموش رہے تب تو اللہ کی طرف سے رحمت کا وعدہ ہے اور اگر ان حضرت نے بھی کچھ پڑھنا شروع کر دیا تو پھر رحمت کا کوئی وعدہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا۔

تو اللہ تعالیٰ کا کلام جو ہے یہ ابوحنیفہ ہی کی گویا تائید کیلئے اتر رہا ہے کہ ابوحنیفہ نے جو سمجھا ہوا ہے ٹھیک سمجھا ہوا ہے ع

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

کہ قلندر جو کہتا ہے وہ دیکھ کر کہتا ہے، تو ابوحنیفہ جو ہیں وہ علم اور دین کے قلندر ہیں وہ جو کچھ کہتے ہیں دیکھ کر کہتے ہیں۔

اللہ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن پڑھنے کی اور پڑھانے کی توفیق عطا کرے، خود بھی قرآن پڑھیں اور اپنی اولاد کو بھی قرآن پڑھائیں اور جتنا موقعہ پڑ سکے اپنی اولاد اولاد کو، بھانجوں کو، بھتیجوں کو سب کو پڑھانے کی کوشش کریں، تم اپنی کوشش کئے جاؤ جتنی کامیابی ہو جائے اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اور اگر خدانخواستہ کوئی بھی نہیں پڑھے گا تو تمہارے اجر میں تو کمی نہیں آئے گی، کوئی پڑھے یا نہ پڑھے مگر تمہارے اجر میں کمی نہیں آئے گی، تو تم اللہ تعالیٰ کیلئے جدوجہد کرتے رہو اور اپنی کوشش کرو کہ خود بھی قرآن پڑھا کرو اور اپنی اولاد کو اور اولاد اولاد کو بھی قرآن پڑھاؤ اور دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمارا قرآن پر خاتمہ فرمائے۔

تلاوت قرآن، نماز، روزہ اور صدقہ عذاب قبر سے نجات کا ذریعہ

ایک روایت مولانا انور شاہ صاحب کی یاد آ گئی وہ ذکر کر کے ختم کئے دیتا ہوں۔

ایک حدیث میں یہ آیا کہ جب مردہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو اگر عذاب سر کی طرف سے آتا ہے تو اگر قرآن اس کے سر میں ہوا تو عذاب نکل جاتا ہے، اس کے بعد فرمایا کہ دائیں جانب سے پھر عذاب آتا ہے اگر فرماتے ہیں کہ نماز کو دیکھتا ہے وہ عذاب کہ یہ نماز پڑھا کرتا تھا تو عذاب نکل جاتا ہے، بائیں طرف سے اگر آتا ہے عذاب تو اگر اس نے روزے رکھے ہوں تو عذاب نکل جاتا ہے، اور

اس کے بعد فرمایا کہ حدیث میں آیا اخیر میں عذاب آتا ہے مردے اور میت کے پیروں کی طرف سے، اگر مردے نے صدقات اور خیرات کئے ہوں گے تو پیروں سے عذاب ٹل جاتا ہے۔

تو فرمانے لگے کہ حدیث میں آیا ہے کہ نماز جو ہے وہ برہان ہے اور تلوار ہے مسلمان کی اور روزہ کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ وہ مسلمان کے ہاتھ میں سپر اور ڈھال ہے اور یہ قرآن جو ہے یہ سر میں رہتا ہے۔

تو فرمایا کہ اصل بنیاد ان کے وجود کی سر پہ ہے تو اول عذاب سر کی طرف سے آتا ہے اگر سر میں قرآن ہوتا ہے تو عذاب ٹل جاتا ہے اور فرمایا کہ نماز جو ہے یہ بمنزلہ تلوار کے ہے، تو آدمی جب لڑائی میں جاتا ہے تو تلوار کو رکھتا ہے دائیں ہاتھ میں اور ڈھال اور سپر جو ہوتا ہے جس سے دشمن کے وار کو روکتا ہے وہ رکھتی ہے بائیں ہاتھ میں، تو حدیث میں فرمایا کہ جو دائیں طرف سے عذاب آئے گا تو دایاں ہاتھ روکے گا، کہا کہ وہ تو نماز روکے گی، اور بائیں جانب سے جو عذاب آئے گا تو روزہ کو جو سپر فرمایا تو روزہ جو ہے وہ شیطان کے حملہ کو دفع کرتا ہے مگر روزہ میں اتنی طاقت نہیں کہ دوسرے پر وار کر سکے اور تلوار میں یہ طاقت ہے کہ دوسرے پر بھی چلتی ہے تو نماز جو ہے یہ تلوار ہے، تلوار جو ہے یہ ہتھیار ہے مسلمان کا، یہ شیطان پر بھی وار چلتا ہے اس کے ذریعہ سے۔

اور فرمایا کہ پیروں کی طرف سے عذاب آئے گا تو صدقہ اور خیرات، اور فرمانے لگے کہ صدقہ اور خیرات پیروں کی جانب سے کیوں عذاب کو دفع کرے گا، تو فرمانے لگے کہ پرانے زمانے کی کتابوں میں صدقہ اور خیرات کا نام "پائے مزد" رکھا ہوا ہے "پیروں کی مزدوری" آدمی پیروں سے چل پھر کر کے مزدوری کرتا ہے اور کما کر کے صدقہ کرتا ہے، تو یہ صدقہ اور خیرات جو ہوتا ہے یہ پیروں کی محنت کا نتیجہ ہوتا ہے، تو صدقہ اور خیرات پیروں کی محنت کا نتیجہ ہے، تو لہذا پیروں کی طرف سے اگر عذاب آئے گا تو صدقہ اور خیرات اس کو دفع کردیں گے۔

تو آدمی کو چاہئے کہ نماز بھی پڑھے اور آدمی کو چاہئے کہ روزہ بھی رکھے اور قرآن بھی سر میں اپنا کچھ نہ کچھ رکھے۔

اور صدقہ کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص جو ہے ایک روپیہ ہی دیا کرے، اگر کسی کے پاس فراخی نہیں ہے تو وہ ایک پیسہ ہی روز دے دیا کرے، تو اللہ تعالیٰ مقدار کو نہیں دیکھتے نیت کو دیکھتے ہیں،

اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں کو دیکھتے ہیں، اگر آدمی نے ایک روپیہ دیا اور ایک آدمی نے ایک لاکھ روپیہ دیا مگر وہ آدمی جو ہے وہ اپنے ایک روپیہ کو حقیر سمجھ رہا ہے کہ اے پروردگار! میں تو نا اہل اور نا لائق ہوں اور میں کس قابل ہوں اور میرا صدقہ کس قابل ہے، اور ایک شخص یوں سمجھ رہا ہے کہ میں نے تو جہاد میں ایک لاکھ سے مدد کی یا مسجد میں میں نے ایک لاکھ روپیہ چندہ دیا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا ایک روپیہ اس کے ایک لاکھ روپیہ سے بڑھا ہوا ہے۔

اور یہ تم دوسروں پر فتویٰ مت لگاؤ کہ تم نے ایک لاکھ روپیہ دکھلاوے کیلئے دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ خود اپنا معاملہ کرلیں گے ہمیں تمہیں اس تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، اپنی نیت درست کرو دوسروں پر تبصرہ، تنقید کی ضرورت نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جتنا قدم اٹھا سکو اٹھاؤ۔

مال و دولت بقدر ضرورت حاصل کرے اور اللہ کا شکر ادا کرے

اور یہ دنیا جو ہے اس وقت بہت تباہی کی طرف جارہی ہے اور سب لوگوں نے آخرت سے قطع نظر کرلی ہے اور سب نے اپنا مقصود دنیا کو اور روپیہ، پیسہ کو اور عزت اور وجاہت کو بنالیا۔ شریعت یوں کہتی ہے بقدر ضرورت کماؤ اور اصل مقصود میری اطاعت اور فرمانبرداری کو رکھو، ایک کروڑ روپیہ کمالو، زکوٰۃ دے دو اور فقیروں کی اور رشتہ داروں کی مدد کرو، شریعت میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں، شریعت کمانے سے منع نہیں کرتی اور نہ تجارت سے منع کرتی ہے، شریعت یوں کہتی ہے کہ مال اور دولت کے دیوانے اور غلام مت بنو بلکہ دنیا کو دین کا خادم بنالو۔

بس شریعت یہ کہتی ہے تم روپیہ رکھو، ایک کروڑ روپیہ اپنے پاس رکھو مگر یوں سمجھو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہے اور میں اس کا ایک نالائق بندہ ہوں اس نے فضل سے دے دیا ہے۔ اور بلکہ میں کہا کرتا ہوں کہ اس زمانہ میں زیادہ کمایا کرو اس سے فائدہ کیا ہوگا، کمانا ایک تو ہوتا ہے حرص اور طمع کے مد میں کہ پیٹ ہی نہیں بھرتا یہ بھی ہوجائے، یہ بھی ہوجائے، طرح طرح کے فیشن کے سامان میرے جمع ہوجائیں۔

اور ایک یہ کہ آدمی گھر کے اندر کماتا ہے تاکہ سامان راحت کے جمع ہوجائیں، تو یہ شخص اگر اللہ تعالیٰ کی نعمت ملنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے کہ اے پروردگار! میں تو اس قابل نہیں تھا آپ نے مجھ کو یہ نعمت عطا فرمائی اور میں آپ کا شکرگزار بندہ ہوں تو یہی نعمت جو ہے اور یہی مال

و دولت جو ہے اس کی آخرت کی بھی ترقی کا ذریعہ بنے گا۔

حیدرآباد دکن میں کچھ دنوں رہا تو وہاں ایک علاؤالدین تاجر تھا، کوئی تیس پینتیس برس سے زیادہ ہو گئے اس بات کو۔ تو مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس نے نو لاکھ روپے کی کچھ دکانیں اور بازار بنا کر وقف کیا ہے مدینہ منورہ کے فقراء کیلئے، تو میں بھی سیکنڈ کلاس میں تھا وہ بھی سیکنڈ کلاس میں تھا، اس نے میری خیریت پوچھی اور میں نے اس سے پوچھ لیا کہ آپ کون ہیں؟ اس نے کہا کہ میں علاؤالدین ہوں، تو سارے شہر میں اس کا شہرہ تھا، میں نے پوچھا وہی علاؤالدین ہیں جن کے متعلق لوگ یہ کہتے ہیں۔

تو وہ کیا کہتا ہے کہ مولوی جی! میرا تو کچھ بھی کمال نہیں سب اللہ کا فضل اور انعام ہے، میرے پاس تو ایک میز ہے، ایک کرسی ہے، ایک ٹیلیفون ہے، اور میرے نوکر جو ہیں وہ مجھے اطلاع دیتے ہیں کہ فلاں جگہ سے پانچ ہزار آ گیا، کسی جگہ بیس ہزار، کسی جگہ پچاس ہزار، یہی ٹیلیفون آتا رہتا ہے میرے پاس، اور میں نے اپنی میز کے ساتھ ایک جائے نماز بچھا رکھی ہے، وضو کر کے میز کرسی پر بیٹھا رہتا ہوں، جب ٹیلیفون آیا کہ فلاں جگہ سے ایک لاکھ کا نفع ہو گیا میں نے دو رکعت نفل پڑھی، آ کر کے بیٹھ گیا، دوسرا ٹیلیفون آیا دوسری نماز پڑھ لی۔

تو اب بتلاؤ جس شخص کا حال یہ ہو کہ ٹیلیفون آ رہا ہے کبھی پچاس ہزار کا اور ایک لاکھ کا اور وہ باوضو بیٹھا ہوا ہے، مصلّٰی بچھا ہوا ہے اور ہر وقت کھڑا ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کو دنیا کا کیا نقصان ہوا۔

تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا کا خادم نہ بنائے بلکہ دنیا ہماری خادم بن جائے۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے اولیاء کبار میں سے تھے ان کے پیر جو تھے دولت مند تھے بہت، تو ایک دن شیخ عبدالوہاب سے کسی نے یہ کہا کہ شیخ عبدالوہاب! آپ کے پیر تو بڑے دولتمند ہیں، تو فرمایا کہ دولت ان کے ہاتھ میں ہے نہ کہ ان کے دل میں۔

تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگ لو کہ اے اللہ تعالیٰ! ہم تیرے رزق کے اور دولت کے محتاج ہیں مگر یوں چاہتے ہیں کہ دولت ہاتھ میں رہے دل ہمارا اس سے پاک رہے، ایسی دولت ہمارے لئے کوئی نقصان نہیں دینے کی۔ و اٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی

احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا منہج تحقیقی جائزہ (قسط ۹)

احکام خلقیہ

وہ احکام جن کے بارے مکلف پر ضروری ہے کہ ان فضائل سے خودکو آراستہ کرے اور رذائل سے اپنا تخلیہ کرے۔

اعتدال کا راستہ

قولہ تعالٰی :منهم امة مقتصدة۔

قال الرازی :معنی الاقتصاد فی اللغة الاعتدال فی العمل من غیر غلو ولا تقصیر ؛واصله القصد ؛ وذلك لان من عرف مطلوبه فانه یكون قاصدا له علی الطریق المستقیم من غیر انحراف والاضطراب امامن لم یعرف موضع مقصوده فانه یكون متحیرا تارة یذهب یمینا واخری یسارا فلهذا السبب جعل الاقتصاد عبادة عن العمل المودی الی الغرض۔

قال ابن كثیر:فجعل اعلی مقاماتهم الاقتصاد وهواوسط مقامات هذه الامة وفوق ذلك رتبة السابقین كما فی قوله عزوجل :ثم اورثنا الكتٰب الذین اصطفینا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخیرات باذن اللّٰه ذلك هوالفضل الكبیر جنٰت عدن یدخلونها الآیة۔والصحیح ان الاقسام الثلاثة من هذه الامة كلهم یدخلون الجنة۔

سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ٦٦ کے حصہ منهم امة مقتصدة کے تحت فرماتے ہیں،امام رازی نے فرمایا کہ اقتصاد کے لغوی معنی عمل میں بغیر غلو اور تقصیر کے اعتدال اختیار کرنا، کیونکہ جو شخص اپنا مطلوب پہچانتا ہوں وہ بغیر انحراف واضطراب کے سیدھے راستہ کا قصد کرنے والا ہوتا ہے اور وہ شخص

جو اپنے مقصود کا مقام وجگہ نہیں جانتا وہ متحیر رہتا ہے کبھی دائیں اور کبھی بائیں جانب جاتا ہے، اسی وجہ سے اقتصاد ایسے عمل سے عبارت ہے جو مقصد کی ادائیگی کی طرف لے جاتا ہے۔

علامہ ابن کثیر نے فرمایا ان کے اعلیٰ مقامات اقتصاد بنائے گئے اور وہ اس امت کے اوسط مقامات میں سے ہے اور اس سے اوپر سابقین کا مقام ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ثم اورثنا الکتٰب الذین اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات باذن اللّٰہ ذٰلک ھو الفضل الکبیر جنٰت عدن یدخلونھا الاٰیۃ۔

یعنی پھر ہم نے اپنے منتخب بندوں کو کتاب کا وارث بنایا پس ان میں بعض اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض اعتدال والے ہیں اور ان میں بعض اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں یہ اس کا بڑا فضل ہے جنت عدن میں وہ داخل ہوں گے۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ اس امت کی یہ تینوں قسمیں جنت میں داخل ہوں گی۔

چند اہم مسائل

قولہ تعالٰی :واذا حللتم فاصطادوا۔

المسئلۃ الاولٰی: تعظیم التبرکات

قولہ تعالٰی :یایھاالذین امنوا لاتحلوا شعائراللّٰہ "یؤخذ منہ تعظیم التبرکات لملابستھا لمن یجب تعظیمہ۔

المسئلۃ الثانیۃ:رعایۃ من یرید رضاء اللّٰہ ولو خطاء فی طریقہ

قولہ تعالٰی :ولآ آمین البیت الحرام فی الروح :قال الحسن وغیرہ: المرادبالآمین ھم المشرکون خاصۃ۔

والمراد من الفضل حینئذ الربح فی تجاراتھم ومن الرضوان مافی زعمھم الخ۔

ففیہ رعایۃ من یرید رضاء اللّٰہ تعالٰی ولو خطاء فی طریقہ۔

المسئلة الثالثة :بيان وسعة رحمة اللّٰه

وفي قوله تعالى :"من ربهم "اضافة الرب الى ضمير "هم "اشارة الى ان اللّٰه تعالى رب العالمين لا المسلمين فقط ۔ففيه وسعة رحمة اللّٰه تعالى ۔

المسئلة الرابعة

قوله تعالى :"واذاحللتم فاصطادوا"في ورود صيغة الامرالذى حقيقة الايجاب مع كون الاصطياد مباحا ' دلالة على ان مباشرة المباح الذى يتوهم حظره مطلوب كالواجب ولقد علمت به ماينبغي من المعاملة في مباحات تركها المتشددون في الزهد اعتقادا اوعملا كانها حرام كبعض الاطعمة والالبسة ؛قاله الحكيم الامة التهانوى في مسائل السلوك له۔

سورۂ مائدہ کی آیت نمبر۲ یاایھا الذین امنوالا تحلوا شعائر اللّٰہ کے تحت مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ اس آیت سے تبرکات کی تعظیم کا مسئلہ ماخوذ ہے جس چیز کی تعظیم واجب ہو اس کی تعظیم کرنا ثابت ہوتا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ جو شخص رضاالٰہی کا ارادہ رکھتا ہو اگر چہ راستہ اختیار کرنے میں خطا کر رہا ہو تو بھی اس شخص کی رعایت ہے۔

آیت ولاامین البیت الحرام کے تحت فرماتے ہیں آمین کا مصداق خصوصاً مشرکین ہیں۔

اور آیت نمبر۲ یبتغون فضلامن ربھم ورضوانا کے تحت تفسیر روح المعانی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ فضل سے مراد مشرکین کو ان کی تجارت میں ہونے والا نفع ہے اور رضوان سے مراد ان کے زعم وخیال میں ہونے والی رضاء الٰہی ہے گویا کہ اس آیت میں رضاء الٰہی چاہنے والے کی رعایت ہے اگر چہ اس کا راستہ خطاوالا ہو۔

وسعت رحمت ربانی کا بیان

تیسرا مسئلہ یہ بیان فرمایا کہ من ربھم میں رب کی اضافت ھم ضمیر کی طرف ہے جس سے اشارہ ہے اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کے رب یعنی پالنے والے ہیں نہ کہ صرف مسلمانوں کے پالنے والے ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا بیان ہے۔

چوتھا مسئلہ یہ بیان فرمایا کہ اذا حللتم فاصطادوا میں فاصطادوا صیغۂ امر اگرچہ ایجاب کیلئے ہے باوجودیکہ شکار کرنا محض مباح کے درجہ میں ہے اس میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ وہ مباح کام جس سے رکنے کا وہم ہوتا ہو اس پر عمل کرنا واجب کی طرح مطلوب ہے، اس سے اس بات کا بھی علم ہوا کہ جو لوگ زہد میں تشدد اختیار کرتے ہوئے مباحات کو اعتقاداً یا عملاً ایسا ترک کردیتے ہیں گویا کہ وہ حرام ہیں، جیسے کھانا اور لباس وغیرہ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

مجلس کے آداب

قوله تعالیٰ :واذا قيل لكم تفسحوا في المجالس فافسحوا يفسح الله لكم۔

قال في الاكليل فيه استحباب التفسح في المجالس العلم والذكر والحرب وكل مجلس طاعة والنهي عن اقامة شخص ويجلس مكانه ولكن يتفسح لايباح للانسان ان يامر غيره بالقيام ليجلس مجلسه لقوله عليه السلام لايقيم الرجل الرجل من مجلسه ثم يجلس فيه ولكن تفسحوا وتوسعوامن سبق الى مباح فهو اولٰى به ولقد جرى المحكم ان من سبق الى مباح فهواولٰى به والمجلس من هذا المباح وعلى القادم ان يجلس حيث انتهى به المجلس الاان الادب الاجتماعية تقتضي على الناس بتقديم اولي الفضل والعلم وبذلك جرى عرف الناس وعوائدهم في القديم والحديث ولقد كان هذا الادب السامي شان الصحابة في مجلس الرسول ﷺفكانوا يقدمون بالهجرة وبالعلم وبالسن ومافعله النبي ﷺفي جماعة (ثابت بن قيس) من اهل بدر فانما كا ن لتعليم الناس مكارم الاخلاق وخاصة مع اهل الفضل والعلم من المهاجرين والانصار۔

وثبت في الصحيح ان عمر بن الخطاب كان يقدم عبد الله بن عباس على الصحابة فكلموه في ذلك فدعاهم ودعاه وسألهم عن تفسير (اذا جاء نصرالله والفتح)فسكتوا فقال ابن عباس هواجل رسول الله صلى الله عليه وسلم اعلمه اياهفقال عمر:

ما اعلم منها الا ما تعلم ثم قال بهذا قلمت الفتى (رواه البخاری عن عبد الله بن عباس)

واذا قام الانسان من مجلسه لحاجة ثم رجع اليه فهو احق بالمجلس لقوله عليه السلام من قام من مجلسه ثم رجع اليه فهو احق به رواه المسلم عن ابی هريرة مرفوعا۔

مفتی صاحب نے سورۂ مجادلہ کی آیت نمبر ۱۱ کے تحت علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب الاکلیل فی استنباط التنزیل کے حوالہ سے آداب مجلس بیان فرمائے ہیں:

۱۔ علم و ذکر اور ہر طاعت کی مجلس میں کشادگی اختیار کرنا مستحب ہے۔

۲۔ کسی شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا کر وہاں خود بیٹھنا منع ہے، بلکہ کشادگی اختیار کرنی چاہیے۔

۳۔ جو شخص جس جگہ پہلے پہنچ جائے وہ اس جگہ بیٹھنے کا زیادہ حق دار ہے البتہ آداب المعاشرت کا تقاضا یہ ہے کہ اہل علم و فضل حضرات کو دوسروں پر مقدم رکھا جائے اور ان کو فضیلت دی جائے، یہ سنت نبوی اور تعامل صحابہ سے بھی ثابت ہے۔

۴۔ اگر کوئی شخص اپنی جگہ سے کسی حاجت کی وجہ سے اٹھ کر جائے، پھر وہ واپس آ جائے تو وہ اس جگہ بیٹھنے کا زیادہ مستحق ہے۔

احکام عملیہ

وہ احکام جن کا تعلق اقوال، افعال، معاملات اور تصرفات سے ہے جو مکلف سے صادر ہوتے ہیں اور یہی قسم فقہ القرآن ہے اور یہی اصول فقہ کے علم میں مقصود ہوتی ہے، اس کی دو قسمیں ہیں (الف) عبادات (ب) معاملات۔

عبادات

نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، منت، قسم اور دوسری عبادات کے احکام جن سے مقصود اللہ جل شانہ کے تعلق کو مستحکم کرنا ہوتا ہے۔

ان میں سے حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ کے احکام القرآن کے منہج کے حوالہ سے ان شاء اللہ چند مثالیں پیش کی جائیں گی۔